© rasailojaraid.com

حضرت شاہ ولی اللہ الدہلویؒ

اور

مقدمہ ترجمۃ القرآن

مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی رفیقِ اعلیٰ ندوۃ المصنفین دہلی

علمی دنیا میں شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی کا نام آفتاب عالمتاب کی طرح مشہور ہے اور ان کی شاہکار تصنیف حجۃ اللہ البالغہ نے ان کے درجۂ امامت اور مرتبۂ قیادت کو بلا اختلاف علماء امت سے تسلیم کرالیا ہے۔ لیکن حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی علمی خدمات میں حجۃ اللہ البالغہ سے بھی زیادہ دقیع تالیف قرآنِ حکیم کا فارسی ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ اس وقت منصۂ شہود پر آیا جب علمی دنیا میں یہ بحث جاری تھی کہ کلام اللہ کا ترجمہ درست بھی ہے یا نہیں۔

بظاہر اگرچہ یہ مسئلہ مضحکہ خیز معلوم ہوتا اور علماء کی تنگ نظری کا آئینہ دار نظر آتا ہے لیکن حقیقتِ حال تک پہنچنے کے بعد معاملہ سطحی نظر سے بہت بلند نظر آتا ہے۔

درحقیقت اس بحث یا اس مسئلہ کی بنیاد اس حقیقت پر قائم ہے کہ کسی بھی زبان کا ترجمہ اس زبان کے مکمل مفہوم ومعنی کا ترجمان ہوسکتا ہے یا نہیں۔ ماہرین علم السنہ کا یہ بیان ہے کہ ایک زبان کا دوسری زبان میں ترجمہ "ادا رِ حقیقت وروحِ مفہوم کے اعتبار سے" ناممکن ہے۔ تقریبی مفہوم ادا ہوجائے یہ ممکن، لیکن حقیقتِ مفہوم ومعنی ادا ہوجائے یہ ناممکن۔ علماءِ اسلام کہتے ہیں کہ مثلاً "الرحمن الرحیم" کا ترجمہ لغاتِ عربیہ میں دونوں اسماء صفات کے خصوصی امتیازات کو دیکھنے کے بعد بھی فارسی یا ترکی یا اردو وغیرہ میں اس طرح نہیں کیا جاسکتا جس سے اس جملہ کی حقیقی روح ادا ہوجائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علمارِ اسلام ہی اس مسئلہ میں منفرد نہیں ہیں بلکہ علمار زمانہ میں بھی محققین میں سے ایک
جماعت کا یہی دعویٰ ہے کہ ایک زبان کا دوسری زبان میں حقیقی نہیں تقریبی ترجمہ ہو سکتا ہے۔

پس جب انسانی بول چال کی تراکیب وعبارات کا ترجمہ باہم مختلف زبانوں میں ناممکن
نہیں تو سخت ترین شکل سمجھا گیا ہے تو علمارِ اسلام کی ایک جماعت کا اگر یہ خیال رہا ہو کہ کلامِ الٰہی اور
حدِ اعجاز سے بھی بالاتر عربی کلام کا ترجمہ دوسری زبانوں میں ناممکن ہے اور اس لئے انھوں نے ترجمہ
کی ممانعت کا فیصلہ کیا ہو تو یہ بات مضحکہ خیز یا تنگ نظری کیسے کہلائی جا سکتی ہے؟

غالباً یہی وجہ ہے کہ علمار امت میں سے ایک مختصر اور چھوٹی سی جماعت کا یہ فیصلہ ہے
کہ قرآن فہمی کے بقدر عربی زبان کی معرفت ہر ایک فردِ مسلم کے لئے "فرض عین" ہے۔

البتہ ان علمار امت نے اس حقیقتِ ثابتہ کی جانب متوجہ ہونے سے گریز فرمایا کہ قرآنِ
حکیم کی دعوت ملکِ عرب ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ دنیا کے ہر ایک گوشہ کے لئے یکساں
دعوتِ عام ہے "تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعلمین نذیرا" اور ظاہر ہے کہ
الدین یسر کے پیشِ نظر کل کائنات جن وبشر اس کے لئے مکلف نہیں ہو سکتی کہ ہر ایک فرد بشر
عربی زبان کا عالم ضرور ہو اور فرضِ کفایہ، فرضِ عین کی صورت اختیار کرلے۔

نیز یہ کہ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ عربی زبان کی معرفت ہر فرد مسلم کے لئے ضروری ہے
تب بھی قرآنِ حکیم کی تعلیمات کا دائرہ محدود ہو کر رہ جاتا اور غیر مسلم تک اس کی حقیقی آواز کا پہنچنا ناممکن
اور دشوار تر ہو جاتا ہے کیونکہ غیر مسلم تو اس پر مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ عربی زبان کو سیکھے اور پڑھے۔ اس لئے
از بس ضروری ہے کہ قرآنِ حکیم کا مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو تا کہ اس کی دعوت "دعوتِ عام" اور
عالمگیر دعوت" عملی شکل اختیار کرلے، بیشک یہ بھی لازم ہے کہ ترجمہ کے ساتھ ساتھ "اصل نظم قرآنی"
باقی رہے۔

اور اگرچہ یہ صحیح ہے کہ کسی زبان کا ترجمہ دوسری زبان میں حقیقی روح اور مکمل مفہوم کے
ساتھ نہیں ہو سکتا تاہم اس حد تک ضرور ہو سکتا ہے اور ہو جاتا ہے کہ نفسِ مفہوم ومراد سمجھ میں آجائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور معنی ومراد میں تغیر وتبدل واقع نہ ہو چنانچہ مذہبی اور دینی تراجم کے علاوہ اسی اصول پر علوم
فنون کا اہم ذخیرہ ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل ہو کر اپنی مسلمہ افادیت کیلئے شاہدِ عدل
زیرِ بحث مسئلہ کی حقیقت کا یہی رخ روشن ہے جس کی نقاب کشائی "ولی اللہ دہلوی" کے
مقدس ہاتھوں نے اس وقت کی جب سب سے بڑی مسلم مملکت ٹرکی کے علماء کے مابین ہنوز
مسئلہ غیر منفصل مباحث کی صورت میں تھا اور خود ہندوستان میں بھی "ترجمۃ القرآن" کا علمی پہ
نمایاں اور روشن نہیں تھا۔

حضرات اہلِ علم اس حقیقت سے ناآشنا نہیں ہیں کہ شاہ ولی اللہ نور اللہ مرقدہٗ نے
پندرہ سال کی عمر میں تمام علوم نقلیہ وعقلیہ کی تکمیل کر لی تھی اور مطالعۂ کتب اور مہارتِ کاملہ کے
حصول میں اسی وقت سے سرگرم عمل تھے۔ ابھی حج بیت اللہ کا عزم نہیں ہوا تھا کہ امام امت نے
قرآنِ حکیم کے ترجمہ کا ارادہ فرمایا، چونکہ اس زمانہ میں حکومت کی سرکاری زبان "فارسی" تھی اور اکثر
ذخیرۂ علوم دینیہ فارسی زبان ہی میں رائج تھا اس لئے شاہ صاحبؒ نے فارسی زبان ہی کو ترجمہ
کے لئے انتخاب فرمایا۔

حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ ۱۱۴۳ھ میں عازمِ حج بیت اللہ ہوئے۔ اس وقت
سورۂ آلِ عمران تک ترجمہ پہنچ چکا تھا۔ چند سال حرمین الشریفین میں علوم حدیثیہ وقرآنیہ کے مطالعہ
وحصول میں گذارنے کے بعد ہندوستان واپس تشریف لائے اور ۱۱۵۱ھ میں ترجمہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا
اور اس کا نام فتح الرحمن بترجمۃ القرآن تجویز فرمایا۔

یہ ترجمہ صرف ترجمہ نہیں ہے بلکہ ترجمہ کے رنگ میں مختصر تفسیر اور حقائق وعجائب قرآن کا
عدیم النظیر ذخیرہ ہے۔

چنانچہ اردو زبان کا مایۂ ناز اور مستند ترجمہ جو حضرت شاہ عبد القادرؒ کے قلم حکمت رقم کا
تحریر ہے بھی فتح الرحمن کے استفادہ سے خالی نہیں ہے بلکہ اس کی اساس پر زیرِ قلم آیا ہے اور آج
بھی اہلِ علم کی نگاہ میں "فارسی ترجمہ" "اساس" و "مرجع" کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کا فارسی ترجمہ قرآن
فتح الرحمن بترجمۃ القرآن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"فتح الرحمٰن" حضرت شاہ صاحبؒ کی وہ مشہور علمی خدمت ہے جو اپنے تعارف میں کسی وشِ قلم کی محتاج نہیں ہے اور اس لئے میں بھی اس کے اور اس کی خصوصیات کے متعلق کچھ زیادہ نہیں چاہتا مگر بہت کم اہلِ علم ہیں جن کے علم و خبر میں یہ بات ہے کہ حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ قرآنِ حکیم کا ترجمہ شروع کرنے سے قبل چند صفحات کا ایک مقدمہ بھی تصنیف فرمایا ہے۔

اس مقدمہ کا نام "مقدمہ فی قوانین الترجمہ" ہے اور جلی قلم سے درمیانی سائز کے تقریباً بارہ صفحات پر مشتمل ہے۔ نہ معلوم کن وجوہ کی بنا پر یہ مقدمہ ترجمہ کے ساتھ شائع نہ ہو سکا اور آج تک ی مخطوطات میں شامل ہے۔

اس مقدمہ کے پڑھنے سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ اگر ایک نب اس راہنمائی کا فرض انجام دے رہے ہیں کہ قرآن حکیم کے ترجمہ میں کونسا اسلوب اختیار کرنا ہے تو دوسری جانب یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے اس مبحث اور اس مسئلہ میں شمع ہدایت ھانا اور قولِ فیصل دینا چاہتے ہیں جس کا ذکر سطورِ بالا میں ہو چکا ہے اور یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں ہ جس طرح دینِ اسلام خود راہِ وسط اور افراط و تفریط کے درمیان کی مستقیم راہ ہے۔ اسی طرح رآنِ حکیم کے ترجمہ سے متعلق بھی یہی راہِ وسط صحیح راہ ہے۔ یہاں نہ انکار و ممانعت کی گنجائش ہے ور نہ آزادروی کی بالکل صحیح راہ ان دونوں کے درمیان ہے۔ "انّ ھذا صراطی مستقیماً"

ہم کو یہ مقدمہ اپنے ایک محبِ صادق کے ذریعہ حاصل ہوا ہے جن کو مخطوطاتِ علمی کا ے حد ذوق ہے اور جو خود بھی اہلِ علم اور اہلِ مطالعہ حضرات میں سے ہیں۔

یہ رسالہ اغلاط سے پُر ہے بلکہ بعض جگہ عبارات کا تسلسل تک مفقود ہے مگر ان باتوں کے وجود افادیت کا حامل ہے اور قرآن حکیم کے ترجمہ سے متعلق اصول و قوانین کے لئے بہترین شعلِ ہدایت اور باوجود اختصار کے اہم نکات و حقائق سے پُر داماں ہے اس لئے اربابِ ذوق قرآنی کی خاطر یہی مناسب معلوم ہوا کہ بعجلت برہان کے ذریعہ اس کو روشناس کرایا جائے اور اصل رسالہ کو کتابت کے نقائص و معائب کے باوجود منصۂ شہود پر لے آیا جائے اور ساتھ ہی اس کا ایسا ترجمہ بھی پیش کر دیا جائے جو لفظی پابندیوں سے آزاد اس کے مفہوم و مراد کو پوری طرح آغوش میں لئے ہو، اس کے بعد انشاء اللہ جلد ہی ری نقل اور اصل کا مقابلہ کر کے مع ترجمہ اور مختصر نوٹوں کے ساتھ مستقل رسالہ کی شکل میں پیش کیا جائیگا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ واہب العطیات ملہم الحکم والغیبات والصلوٰۃ والسلام الاتمان علی سیدنا محمد معلم اہل المدر والوبر مبین الکتاب بفصل الخطاب وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد فیقول الفقیر الی رحمۃ اللہ الکریم ولی اللہ بن عبدالرحیم ایں رسالہ ایست در قوانین ترجمہ مسماۃ بالمقدمہ فی قوانین الترجمہ کہ وقت تسوید ترجمہ قرآن قلم بضبط آں جاری شد واللہ الہادی الی الحق۔

فصل مترجمین را در ترجمہ نویسی طرق مختلفہ دارند بعضی زیر ہر کلمہ ترجمہ آں نویسند و انتقال کنند بکلمہ دیگر و ترجمہ آں نیز نویسند علی ہذا القیاس کردہ میروند تا آں کلام آخر شود و آنرا ترجمہ تحت اللفظ گویند وجمعی کلام تام را تامل کنند و تقدیم و تاخیر در مجاز و کنایہ بشناسند و معنی آں در ذہن خود محصل نمایند پس بہر لغتی کہ خواہند آں معنی محصل را ادا نمایند وایں را بیان حاصل المعنی گویند در طریق اول خللے ہست زیرا کہ بسیار است کہ نظم ترجمہ مختل شود و ترکیبی پیدا آید کہ در لغت ترجمہ آنرا صحت نباشد ولا اقل رکاکت و تعقید و ارتکاب قلیلہ لازم شود و سبب آں اختلاف لغات است

خدائے کریم کی رحمت کا محتاج ولی اللہ بن عبدالرحیم کہتا ہے "قرآن کریم کے ترجمہ کے اصول و قواعد میں یہ ایک رسالہ ہے جس کا نام "المقدمہ فی قوانین الترجمہ" ہے، یہ اسوقت ضبطِ قلم میں آیا جب میں ترجمہ قرآن حکیم کا مسودہ کر رہا تھا" واللہ الہادی الی الحق"

فصل۔ کسی بھی زبان کے ترجمہ سے متعلق ترجمہ کرنے والوں کی راہیں مختلف نظر آتی ہیں۔ بعض کا طریق یہ ہے کہ وہ جدا جدا ہر ایک کلمہ کا ترجمہ کرتے جاتے اور تا آخر مضمون تک اسی کے پابند رہتے ہیں کہ ہر ایک کلمہ کا ترجمہ تحت اللفظ رہے اور اس کو "لفظی ترجمہ" کہتے ہیں اور مترجمین کی دوسری جماعت پسندیدہ اسلاف ہے کہ وہ اول پورے کلام میں غور و تامل سے کام لیتے۔ "مجاز" و "کنایہ" میں تقدیم و تاخیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

در تقدیم بعض اجزاءِ کلام بر بعض و در تالیف کلمات و استعمال کنایات و اطلاق صلات و در بعض لغات انتقال از لازم بملزوم وآں استعارہ لفظی بجائے لفظے صحیح نباشد و در لغت دیگر اصلاً صحیح نبود در عربی گویند فلاں عظیم الرماد و آنرا بسخاوت انتقال کنند و اگر در فارسی فلاں بزرگ خاکستر ست فارسیاں باآں معنی انتقال نمایند و در لغت عربیہ گاہی خصوصیتی

کی معرفت چاہئے، اور اس ترتیب کے ساتھ عبارت کے معنی کو ذہن نشین کرتے ہیں۔ بعد ازاں اپنی صوابدید پر ان معانی کو موزوں اور مناسب الفاظ اور بندش کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ اور اس ترجمہ کو "بیان حاصل معنی" (آزاد ترجمہ یا معنوی ترجمہ) کہا جاتا ہے۔ لیکن ترجمہ کا طریق اول نقص و خلل سے خالی نہیں ہے۔ اس لئے کہ لفظی ترجمہ میں اکثر و بیشتر ترجمہ کا نظم درہم و برہم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اصل مضمون میں ایسی ترکیب ہوتی ہے کہ جس زبان میں ترجمہ کیا جارہا ہے اس کے لغت میں اس ترکیب کا ترجمہ صحیح طور پر ناممکن ہوتا ہے اور کم از کم کلام میں رکاکت، تعقید (گنجلک) اور اسی قسم کے چھوٹے چھوٹے ارتکابات تو ضرور ہی پیش آجاتے ہیں، اور اس صورتِ حال کی وجہ یہ ہے کہ مختلف زبانوں میں بعض اجزاء کلام کی بعض پر تقدیم کا اسلوب قطعاً الگ الگ ہے، اور کلمات کی ترکیب، کنایات کے استعمال اور صلات کے اطلاق میں بھی جدا جدا نہج پائے جاتے ہیں۔ نیز بعض زبانوں میں لازم سے ملزوم کی جانب یا ملزوم سے لازم کی جانب منتقل ہونا اور ایک خاص لفظ کا دوسرے خاص لفظ کو استعارہ کرنا صحیح نہیں ہوتا اور دوسری زبان میں اصل و حقیقت کے لحاظ سے ہی وہ لفظ (اس جگہ) درست نہیں بیٹھتا مثلاً عربی زبان میں کہتے ہیں کہ فلاں شخص "عظیم الرماد"[1] ہے اور یہ کہہ کر اس شخص کی "سخاوت" مراد لیتے اور اس مفہوم میں منتقل کر لیتے ہیں، پس اگر فارسی زبان داں اس کا ترجمہ "بزرگ خاکستر" کر کے معنی "سخاوت" کو ادا کرنا چاہیں تو یہ قطعاً نادرست ہوگا۔ اسی طرح

---

[1] بہت راکھ رکھنے والا۔ عظیم الرماد یا کثیر الرماد۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملحوظ باشد کہ در فارسیہ کلمہ باں خصوصیتی یافتہ نشود مانند رغار الابل وخوار البقر وصہال الفرس ونواح التیس ویعار المعز ونہق الحمار ونباح الکلب وہدیر الحمام و مانند جرد الکلب وجر الفشا شبل الاسد وفصیل الابل وجدی البقر وعناق الشاۃ در لغت فارسیہ لفظے کہ بازائے ایں خصوصیات مستعمل نباشد بے تکلف یافتہ نمی شود وہمچنیں در اصلہ افعال اختلاف بسیار واقع است الی غیر ذلک مما لا یخفی علی المتفطن اللبیب ودر طریق ثانی نیز خللے ہست بسا است کہ کلام محتمل دو وجہ باشد مترجم متفطن نشود مگر توجہی کہ مراد متکلم واگر حقیقت امر پرسی اکثر تحریف در کتب سابقہ

عربی زبان میں ایک ہی لغت کے لئے ایسی خصوصیات ملحوظ ہوتی ہیں جن کا فارسی زبان میں فقدان ہے مثلاً حیوانات کی آوازوں کے لئے عربی زبان میں یہ امتیازات ہیں۔ رغار الابل، (اونٹ کا بلبلانا) خوار البقر (گائے بیل کا رینکنا) صہال الفرس (گھوڑے کا ہنہنانا) ثواج التیس (مینڈھے کا بولنا) یعار المعز (بکری کا میں میں کرنا) نہق الحمار (گدھے کا ہینچنا) نباح الکلب (کتے کا بھونکنا) ہدیر الحمام (کبوتر کا غٹرغوں کرنا) اور اسی طرح جرد الکلب (کتے کا پلا) شبل الاسد (شیر کا بچہ) فصیل الابل (اونٹ کا بچہ) جدی البقر (گائے کا بچھڑا) عناق الشاۃ (بکری کا بچہ)

اور فارسی لغات میں چونکہ ان خصوصیات وامتیازات کے لئے علیحدہ علیحدہ لغات مستعمل نہیں ہیں اس لئے ان عربی لغات کے ترجمہ میں جدا جدا خصوصی اور امتیازی لغت بے تکلف حاصل نہیں ہو سکتے۔ پھر ان اختلافات کے علاوہ اصل افعال میں بھی بہت سا اختلاف موجود ہے غرض اس قسم کے اختلافات ہیں جو مختلف زبانوں اور لغتوں میں پائے جاتے ہیں اور ایک عاقل وذہین انسان پر یہ حقیقت بخوبی روشن ہے۔

دوسرا طریقہ بھی خلل وفساد سے خالی نہیں ہے اس لئے کہ اکثر وبیشتر یہ ہوتا ہے کہ کلام میں دو مستقل وجوہ کی گنجائش ہے اور مترجم اس درجہ حاذق اور ماہر نہیں ہے کہ ان ہر دو وجوہ میں سے متکلم کی مراد کو پا سکے۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ مترجم مرادِ متکلم کے خلاف ترجمہ کر دے گا اور اگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ازیں سبب راہ یافت۔ پس لازم در ترجمہ کلامِ الٰہی بقاء آں نظم است کہ اگر مترجم را در بعض مواضع لغزشی پدید آمدہ باشد من بعد کسی تدارک آں نماید، فرب مبلغ اوعی لہ من سامع و در توجیہ مواضع مشکلہ و تاویل منشار ابہامات و امثال آں علمار مذاہب مختلفہ دارند و اگر بنظر تحقیق بنگری ایں ہمہ مذاہب اصل شرع نیست بلکہ نوعی از موشگافیست در شرع باستعانۃ عقل پس اگر ہر یکے حسب فہم تاویل میکردو آں نظم باقی نمی ماند اصل شرع کم می شود نیز چوں قرآں بلغت عرب نازل شدہ و آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ لغتِ عرب سخنی فرمودہ اند امراست بدون معرفت لغت عرب مستقیم نشود پس بر امت مرحومہ معرفت لغت عرب واجب

حقیقت امر پوچھتے ہو تو کتب سابقہ میں تحریف نے اکثر اسی سبب سے راہ پائی ہے۔ پس کلامِ الٰہی کے ترجمہ میں یہ ازبس ضروری ہے کہ کتاب الٰہی کا نظم بحالہ باقی رہے (یعنی کلامِ الٰہی کے ترجمہ میں یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ ترجمہ کے ساتھ ساتھ اصل کلامِ الٰہی کا مکتوب ہونا فرض و لازم ہے تاکہ تحریف سے محفوظ رہے) اس کا یہ بھی فائدہ ہے کہ اگر اصل "نظم کلام" باقی ہے اور مترجم سے بعض مواقع میں لغزش ہو گئی ہے تو دوسرا شخص بفحوائے حدیث "فرب مبلغ اوعی لہ من سامع پس بسا وہ شخص جس تک بات پہنچائی گئی ہے براہِ راست سننے والے کے مقابلہ میں اس بات کو محفوظ رکھنے اور اس کی تہ تک پہنچنے میں زیادہ محافظ تاب ہوتا ہے"۔ اس غلطی کا تدارک کر سکتا ہے پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ مشکل مواقع اور ابہامات و مجملات کے منشار کی توجیہ اور اسی قسم کے دوسرے امور میں علمارِ اسلام مختلف مسلک رکھتے ہیں اور اگر بہ نظر تحقیق دیکھا جائے تو علمار کے یہ تمام مسلک "اصل شرع" نہیں ہیں بلکہ عقل و خرد کی استعانت سے شرع کے مسائل میں ایک قسم کی موشگافی ہے پس اگر ہر ایک عالم اپنے فہم و تدبر کے مطابق توجیہ بیان کرے اور "اصل نظم کلام الٰہی" باقی نہ رہے تو اصل شرع میں کمی آتی چلی جائے گی۔

نیز چونکہ قرآن عظیم لغت عرب پر نازل ہوا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بالکفایہ شد و ہر کسے را معرفت آں مسنون و مندوب آنکہ بہ لغت عربی آشنا نیست، باعتبار معرفت دین محمدی اور ادر عداد زندگانی نتواں شمرد و در حساب مردہاں نتواں آورد ملحق بجمادات و داخل در عداد اموات و عجزی بر خود لازم کردہ است کہ شرع آنرا مرحوم نکرد و ہوائے بر خود تجویز نمودہ است کہ شرع آنرا سربلند نہ ساخت و لہذا در تلاوت قرآن و ذکر خدا تعالیٰ و خطبہ عید و جمعہ لغتِ فارسیہ جائز نداشتند ہر چند مقصود ازیں تدبر و احفاظ است نہ خصوصیت الفاظ پس مقصو اہم از ترجمۂ قرآن عظیم آنست کہ خوانندہ را ندرتے حاصل شود در معرفت

لغت عرب ہی میں گفتگو فرمائی ہے۔ پھر امتِ مرحومہ کا معاملہ (دینی و دنیوی) لغتِ عرب کی معرفت کے بغیر درست نہیں ہو سکتا۔ اس لئے امتِ مرحومہ پر لغتِ عرب کی معرفت واجب بالکفایہ ہوئی اور ہر فرد مسلم کے لئے اس کی معرفت مسنون و مستحب قرار پائی۔

جو شخص لغتِ عرب سے نا آشنا ہے دینِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کے پیشِ نظر اس شخص کا شمار زندہ انسانوں میں بلکہ انسانوں میں بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس کو جمادات کی طرح سمجھا جاتا اور اس کا مردوں میں شمار ہوتا ہے، اس نے خود پر اس عجز کو لازم کر لیا ہے کہ شرع نے اس کو رحمت سے محروم رکھا اور اپنے لئے اپنی خواہشِ نفس سے یہ تجویز کر لیا ہے کہ شرع نے اس کو سربلندی نہ بخشی

بہرحال لغتِ عرب کی معرفت کا لزوم ہی اس حقیقت کا سبب بنا کہ تلاوت قرآنِ عظیم ذکرِ خدائے برتر، اور خطبۂ عید و جمعہ میں لغتِ فارسی کو جائز نہیں رکھتے۔ اگرچہ ان امور کا مقصد تحصیل عبرت و بصیرت اور پند و نصیحت ہے خصوصیتِ الفاظ نہیں تھے۔ پس قرآنِ عظیم کے ترجمہ کا اہم مقصد یہ ٹھیرا کہ پڑھنے والے کو نظمِ قرآن کی معرفت میں "ندرت" اور کلام اللہ کی عبارت میں غور و خوض سے "ملکہ" حاصل ہو تاکہ اس کی بدولت وہ قرآنِ عظیم کے فوائد عالیہ تک پہنچ سکے اور یہ معنی ترجمہ کے اس دوسرے طریق "بیان حاصل معنی" میں مفقود ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آن ونلکہ بدست آید از خوض در عبارت آں وایں معنی در بیان حاصل المعنی مفقود است
ین خلل ہر دو وجہ ملاحظہ نمودند جمع کردند در ترجمۂ تحت اللفظ و تقریر حاصل معنی تا اگر تعقید
تے در تحت اللفظ حاصل شدہ باشد متدارک گردد بکلام دیگر کہ تقریر مدعا نماید بغیر تعقید
لتے واگر در تقریر معنی باختیار احد الوجہین یا بتاویل متشابہ خلل راہ یافتہ باشد باطلاق تحت
علاج آں کردہ واین طریق نیز بر مذاق اصحاب ذوق سلیم بشاعتے دارد تشویش بمتدی میدہد
را بکار نمی آید و تطویل لازمش میشود و سخن از نسق طبیعی خود بر می آید واگر نیک بنگاف منشار

پھر ایک جماعت نے ان دونوں راہوں سے جدا ایک تیسری راہ اختیار کرلی۔ انھوں
ب دیکھا کہ مسطورہ بالا دونوں اسالیب میں خلل اور نقص پایا جاتا ہے تو ان دونوں کو ملا دیا
ب سے دوسری وجہ کا جبر نقصان ہوکر مطلب و مقصد حاصل ہوسکے۔ چنانچہ انھوں نے
ی ترجمہ" اور" بیان حصول معنی" دونوں کو اپنا لیا تاکہ جس وقت تحت اللفظ ترجمہ کی وجہ سے
(گنجلک) اور رکاکت پیدا ہوجائے تو دوسرے طریق یعنی مفہوم و مراد کے بیان و تقریر کے
س کا تدارک کردیا جائے اور اگر جملہ اور عبارت میں موجود دو وجوہ میں سے کسی ایک وجہ کو
یہ کی کسی خاص توجیہ کو اختیار کرکے مفہوم و مراد بیان کرنے میں خلل اور فساد پیدا ہوجائے
کا علاج تحت اللفظ ترجمہ سے کردیا جائے۔

ظاہر ہے کہ یہ تیسرا طریقہ بھی اصحاب ذوق سلیم کے مذاق کو قطعاً خلاف اور معیوب ہے
طریقہ مبتدی کے لئے تشویش کا باعث اور منتہی کے لئے بے کار اور غیر مفید نیز تطویل لاطائل
ب ہے اور اس طرح کلام اپنے نسقِ طبعی سے خارج ہوجاتا ہے۔

اور اگر اس طریقہ کے اختیار کرنے کی حقیقت تک رسائی مقصود ہے تو صاف بات
ہ اس طریقِ کار کے اختیار کرنے کا مقصد ہر دو لغات و زبان کے رسم کلام سے درماندگی اور
ہے (یعنی وہ ترجمہ کی زبان اور عربی زبان دونوں کے رسم کلام اور فروقِ لغات کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آں عجز است و جہل از رسمِ تکلم ہر دو لغت این فقیر چوں بریں طرقِ ثلاثہ مطلع شد و خللے کہ درمیان آنہاست ملاحظہ نمود حریص شد بر اختراعِ طریقِ رابع کہ جامع باشد میان منافعِ طرقِ ثلاثہ و خالی بود از خلل آنہا ترجمہ تحت اللفظ را بیکدست گرفت و خللہا را یاد داشت و تصرف در فنون آں منظورِ نظر نمود و بیانِ حاصلِ معنی را بدست دیگر گرفت و مواضعِ صعوبہ فہمِ مراد و طریقِ مخلص از آنہا بسہولت او را ضبط کرد پس نخست بترجمہ تحت اللفظ مقید شد بہماں نظم کہ در قرآن مذکور است و اختلاف صلاتِ فعل را بر خود ہموار نمود و در آنجا کہ تعقید و رکاکت آں ترجمہ فارسیہ

فہم سے عاجز و درماندہ ہونے کی وجہ سے یہ طویل راہ اختیار کرنے پر مجبور رہے)۔

غرض ترجمہ کے لئے یہ تینوں طریقے خلل و فساد اور نقص و عیب سے خالی نہیں ہیں یہ فقیر جب ان ہر سہ طریق پر مطلع ہوا اور ان میں جو خلل و فساد پایا جاتا ہے اس کو دیکھا تو جی چاہا کہ ان راہوں سے جدا ایک چوتھی راہ ایسی پیدا کی جائے کہ جس میں مسطورہ بالا ہر سہ طرق کے فوائد کے لئے جامع ہو اور ان میں جو خلل و فساد کی صورتیں ہیں ان سے محفوظ ہو چنانچہ میں نے ایک ہاتھ میں تو ترجمہ لفظی لیا اور ساتھ ہی اس کے مفاسد کو بھی پیشِ نظر رکھا اور اس سلسلہ میں مختلف طریقہائے تصرف کو زیرِ نظر لایا اور بیان حاصل معنی (حاصل ترجمہ) کو دوسرے ہاتھ میں لیا اور فہمِ مراد کے مشکل موقعوں کو اور بسہولت ان سے رستگاری کے طریقوں کو منضبط کیا اور یہ سب کچھ پیشِ نظر رکھنے کے بعد ترجمہ کی داغ بیل اس طرح ڈالی کہ اول اس طرح لفظی ترجمہ کیا کہ نظمِ قرآنی کے ساتھ پوری طرح مطابقت قائم رہے اور ساتھ ہی لحاظ رکھا کہ افعال کے صلات کا جو اختلاف ہے اس کو اپنے فہم سے درست کیا جائے اور جس جس مقام پر فارسی کے ترجمہ لفظی میں رکاکت اور تعقید و گنجلک لازم آگئی یا لغتِ عربی میں ایسی ترکیب واقع ہوئی ہے کہ اس کے نظیر لغتِ فارسی میں نہیں پائی جاتی ہے تو ان مواقع میں عربی زبان ہی سے ایسے مرادف الفاظ و کلمات کے ذریعہ ترجمہ کر دیا ہے جو اصل کی قائم مقامی کر سکیں۔ مثلاً اسمِ فاعل استقبال کے لئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لازم آمد یا در لغت عربیہ ترکیبی واقع شدہ است کہ نظیر آں در لغاتِ فارسیہ یافتہ نمی شود حرف مساوی آں از حروفِ عرب بجائے او اقامت نمودہ ترجمہ آں نوشت مثلاً اسم فاعل برائے استقبال باشد حرف مساوی او فعل مستقبل معلوم است و اسمِ مفعول کہ برائے استقبال باشد حرف مساوی او فعل مستقبل مجہول است مثلاً قل یا ایھا المومنون یا ھؤلاء المومنین در یک حالست فما لھم من ناصرین فما لھم من ناصر بیک نسق است زیرا کہ از ناصرین این جا عموم جموع مراد نیست بلکہ افراد است، لہذا در دین ما رخصت حاصل شد در قرأت قرآن بہفت حرف و صحابہ تفسیر لفظی بحرف موافق تجویز نمودند و بملاحظہ تقدیم ما حقہ التقدیم و تاخیر ما حقہ التاخیر و اظہار مقدر و ترک مفخم و تبیین نحو از دست ندا دند اگر صعوبۃ فہم مراد لازم آید مہما امکن قصد نمود کہ بادنیٰ تصرفے از تقدیم و تاخیر و زیادۃ حرفی یا اظہار مقدری یا اعادۂ عامل

آتا ہے تو فعل مستقبل معلوم اس کا مساوی ہوتا ہے نیز اسمِ مفعول جو استقبال کے لئے لایا جاتا ہے تو اس کا مساوی فعل مستقبل مجہول ہوتا ہے جیسا کہ قل یا ایھا المومنون یا ھؤلاء المومنین بلحاظ معنی ایک حال میں ہیں (یعنی اے ایمان والو! یا اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو) دونوں جملے ہم معنی ہیں۔ اور اسی طرح .... فما لھم من ناصرین اور فما لھم من ناصر دونوں کا ایک ہی نسق ہے اس لئے کہ اس جگہ ناصرین سے عموم جمع مراد نہیں بلکہ افراد مراد ہیں (یس ناصر اور ناصرین ہم معنی ہوئے)۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے دین حقہ میں اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ ہم سات حروف (لغات عرب) میں سے جس حرف (لغۃ) میں چاہیں قرآنِ حکیم کی قرات کر سکتے ہیں اسی بنا پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے تفسیر لفظی موافق لغت کے ساتھ جائز رکھا ہے۔ میں نے ترجمہ قرآنِ حکیم میں اس بات کو بھی ملحوظ خاطر رکھا ہے کہ جس لفظ یا جملہ کا حق مقدم یا موخر ہونے کا ہو وہ مقدم و موخر ہی رہے اور یہ کہ مقدرات کو ظاہر کر دیا جائے اور ترخیم کا ترک اور تبیین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بر سرِ معطوف یا با اظہارِ مضمری و اضمارِ مظہری آں صعوبت را حل نمود و اگر طبیعت کلام ازیں تص
ابا می کند بعد ادائے ترجمہ لفظ حاصل معنیٰ را بلفظ یا مراد آنست معلم نمودہ مذکور کردہ و اگر ذکر قید
یا مجمل کلامے یا حل کنایتے یا کشف تعریفی یا تسمیہ مبہمی ضرورست آنرا نیز بلفظ یعنی مراد آنست
معلم نمود خواندہ ۔ سعادتمند را باید کہ بعد ذکر آنچہ در چیز یعنی واقع است اعادہ کند کلمۂ سا
را با کلام مربوط نماید بالجملہ مواضع اختلافِ لغتین بسیار است از انجملہ آنکہ رسم عرب است
کہ نخست معنی را بنوعی از اجمال و اختصار بیان کنند بعد ازاں تفصیل و تبیین آں کنند و ایں تفصیل
بعد اجمال پیش ایشاں لذتے کم از ذکر کلام بنہج تفصیل یافتہ نشود مثلاً گویند ضربت زیداً ر
سہ حسن زیدٍ داراً ان احدٌ استجارک زیداً ضربت پس در ضربت زیداً رأسہ و سلبت زید

(اظہار) جیسے نحوی مسائل کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے اور اگر فہم مراد میں مشکل پیش آگئی تو حتی ال
یہ قصد و ارادہ کیا کہ تقدیم و تاخیر اور مقدرات کے اظہار میں ایک لفظ کا اضافہ یا معطوف پر عامل ک
اعادہ یا مضمر کا اظہار یا مظہر کا اضمار اس قسم کے ادنیٰ تصرف کے ذریعہ سے اس صعوبت کو حل
کر دیا جائے اور اگر کلام کا مزاج اس قسم کے تصرف سے ابا (انکار) کرتا ہے تو لفظی ترجمہ کے
بعد حاصل معنی کو لفظ "یا مراد آنست" یا "یہ مراد ہے" کا نشان دیکر ذکر کر دیا ہے ۔ اور اگر کسی لفظی
قید کا ذکر کسی کلام مجمل کی تفصیل، کسی کنایہ کا حل، کسی لفظ کے معرفہ ہونے کا کشف، یا کسی مبہم
کا ازالۂ ابہام ضروری معلوم ہوا تو ان کو بھی "یا مراد آنست" کہکر بیان کر دیا ہے اس لئے
سعادتمند صاحبِ مطالعہ کے لئے ازبس ضروری ہے کہ ترجمہ کے جب اس مقام پر پہنچے جہاں
لفظ "یعنی" مذکور ہے تو کلمۂ سابق کا اعادہ کر کے اصل کلام کے ساتھ اس کو مربوط کر لے (اور معنی کو
شرح و وضاحت کی حیثیت میں مطالعہ کرے)

غرض عربی اور فارسی لغات (زبان) کے مابین مواقع اختلاف اکثر و بیشتر ہیں منجملہ ان کے
ایک یہ ہے کہ اہلِ عرب کا دستور ہے کہ اول کسی مطلب کو اجمال و اختصار کے ساتھ بیان کرتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ثوبہ مبادرت کنند باثبات حکم زیدرا ودر حقیقت ثبوت حکم زیدرا بحال متعلق باشد پس عود کنند وتدارک آں تسامح نمایند وہمچنیں حسن زیدرا اثبات کردند وبحقیقت حسن زید ثابت است بواسطۂ متعلق او پس عود کردند وآں را در صورۃ تمیز تدارک نمودند ولہذا گفتہ اند کہ تمیز از نسبت محول است از فاعل یا مفعول ودراں احد اضمار نمودند استجار را ودر زیداً ضربت اضمار نمودند ضربت را بعد ازاں تدارک خللی کہ در اضمار حاصل شدہ بود بتقدیم رسانیدہ اند وایں تصرف در زبان عجم مالوف نیست واز اں جملہ آنکہ عرب قصد کنند بجملہ وآں را تغیری دہند واز سنن طبعی معدول

اور بعد ازاں اس کی تفصیل وتبیٔن کی جانب متوجہ ہوتے ہیں اور ان کی نظر میں یہ تفصیل بعد از اجمال اس سے کم لذت اندوز نہیں ہے کہ ابتدا ہی میں وہ تفصیل کے ساتھ کلام کو بیان کردیں مثلاً وہ کہا کرتے ہیں "ضربت زیداً راسہ - میں نے زید کے سر پر مارا" حسُنَ زیدٌ دارًا - زید کا گھر اچھا ہے" "ان احد استجارک، اور اگر کوئی تجھ سے پناہ چاہے" پس ضربت زیداً راسہٗ اور طابت زیدا ثوبہٗ میں بعجلت اول زید پر حکم ثابت کرتے ہیں اور در حقیقت مقصد یہ ہوتا ہے کہ زید کے متعلقات پر حکم صادر کریں اس لئے اس تسامح کا تدارک کرنے کے لئے پھر اس متعلق کو بیان کرتے ہیں اس طرح حسنِ زید کا اول اثبات کرتے ہیں اور حقیقت میں حسنِ زید کا اثبات اس کے متعلق یعنی دارِ زید کے ذریعہ مقصود ہوتا ہے اس لئے پھر رجوع کرتے ہیں اور تمیز نحوی کی شکل میں اس کا تدارک کرتے ہیں یعنی جب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ زید کا گھر بہت خوبصورت ہے تو اس کی تعبیر یوں کرتے ہے زید حسین ہے اپنے گھر کے اعتبار سے) اور اس بنا پر (اہلِ لغت) یہ کہتے ہیں کہ تمیز از نسبت محول ہے فاعل یا مفعول سے اور "ان احد" میں "استجار" کو مضمر اور پوشیدہ اور "ضربت زیدا" میں "ضربت" کو مضمر تسلیم کرتے ہیں اور بعد ازاں اضمار کی وجہ سے کلام میں جو خلل پیدا ہوجاتا ہے اس کا تدارک اس طرح کرتے ہیں کہ کلام کے شروع میں اس مقدر کو ملحوظ مان لیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس قسم کا تصرف عجمی زبان میں مانوس نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نمایند چنانکہ وعداللہ وسبح اللہ وسقاک اللہ بود ودروی تصرفی کردند بجائے فعل مصدر را اقامہ
نمودند وآنرا بمعمول فعل خواہ فاعل یا مفعول باشد بواسطہ حرف جر خواہ بیواسطہ مضاف نمود
پس گفتند وعداللہ حقاً وسبحان اللہ وسقیا لک وزبان عجم بنظر ایں تصرف آشنا نیست واز
جملہ آنست کہ منکر را در صورت معرف گویند ومفکوک من الاضافہ را در صورت مضاف برا
حصول تخفیف در لفظ وغرض ایشاں ہماں معنی اصلی بود وازاں جملہ آنست، کہ خواہند کہ یک
مضمون را دوبار عرضہ دہند بنوعے از سہولت ادا پس آں تکرار را از اول منوت سازند گو

ازانجملہ اہلِ عرب جب ایک جملہ بولنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس میں ایک خاص قسم کا
تغیر کرتے ہیں اور جملہ کو اس کے اصل مزاج سے ہٹا کر استعمال کرتے ہیں مثلاً "وعداللہ" "
"سبح اللہ" "وسقاک اللہ" (اللہ نے وعدہ کیا ہے، اللہ پاک ہے، اللہ تجھکو سیراب کرے) ہے۔ پس
اس میں وہ تصرف کرتے ہیں اور فعل کی جگہ مصدر کو قائم مقام بنا دیتے ہیں اور پھر اس کو فعل کے معمو
کے ساتھ خواہ وہ فاعل ہو یا مفعول بواسطہ حرف جر یا بلا واسطہ مضاف کر دیتے ہیں اور یوں کہتے
ہیں "وعداللہ حقا" "سبحان اللہ" "سقیا لک"۔ مگر عجمی زبان اس قسم کے تصرف سے مطلق آشنا
نہیں ہے۔ اور منجملہ دوسرے تصرفات کے ایک تصرف یہ ہے کہ لفظ منکر کو (نکرہ) معرف (معرفہ)
کی صورت میں بولتے ہیں اور جس جملے سے اضافت محو کر دی گئی ہو اس کو مضاف کی صورت
میں۔ اس لئے بولتے ہیں کہ لفظ میں تخفیف حاصل ہو جائے دراں حالیکہ ان تصرف کرنے والوں کی
غرض ان تصرفات کے باوجود وہی معنی ہی ہوتے ہیں۔

اور منجملہ تصرفات کے ایک تصرف یہ ہے کہ کبھی وہ یہ چاہتے ہیں کہ ایک مضمون
کو دو مرتبہ پیشِ نظر لائیں۔ اور سہولت ادا بھی ہاتھ سے نہ جائے پس یہ کرتے ہیں کہ اس تکرار
کو اول کے ساتھ متفق کر دیتے ہیں۔ مثلاً بعض کہتے ہیں ھو اعلمھم علما واحلمھم حلما
وزید ابوک عطوفاً وتبسم ضاحکاً وقام قائماً والذاریات ذرواً، والصافات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اعلمهم علما واحلمهم حلما وزید ابوك عطوفا وتبسم ضاحكا وقام قائما - و
اریات ذرواً، والصافات صفاً - وایں چیزہا در عجم مستعمل نیست وازاں جملہ آنست کہ قصد
بجملہ تامہ وصورت آنرا تغیر دہند بتسلیط فعلی یا حرفے براجزائے آں جملہ گویند ماکان زید
یفعل ہذا وانما ضرب زید وظننت زیداً قائما ودر فارسی آں عامل را براجزائی جملہ مسلط نکنند
روی جدا تقریر کنند گویند دانستم کہ زید قائم است نگویند دانستم زید را ایستادہ وچزیں نبود
زید زدہ ہرگز نیست کہ زید چنیں کند وازاں جملہ کہ در عربی گویند قام زید ودر فارسی گویند
ایستادہ واگر گویند ایستادہ زید رکیک باشد وازاں جملہ آنست کہ در فارسی حکایۃ حال
ضی بداخل کردن حرف می بر ماضی متحقق شود گویند می کرد می زد ودر عربی بدون استعارۂ کان

صفا اس قسم کا تصرف عجمی زبان میں مستعمل نہیں اور منجملہ تصرفات کے ایک تصرف یہ ہے کہ اہلِ
رب جملہ تامہ کا ارادہ کرتے ہیں مگر اس کی صورت کو اس طرح بدل دیتے ہیں کہ کسی فعل یا حرف
اجزار جملہ پر مسلط کر دیتے ہیں مثلاً کہتے ہیں ما کان زید لیفعل ھذا وانما ضرب زید و
ظننت زیدا قائما - اس کے برعکس فارسی زبان میں اس قسم کے عامل کو جو عربی زبان میں
فعل یا وقت کی زبان میں نمودار ہوتا ہے۔ اجزار جملہ پر مسلط نہیں کرتے بلکہ اس کو جدا لاتے ہیں
اور یوں کہتے ہیں" دانستم کہ زید قائم است" اور یوں نہیں کہتے" دانستم زید را استادہ"
اور از انجملہ یہ کہ عربی میں" قام زید" کہتے ہیں اور فارسی میں زید استادہ کہتے ہیں پس اگر
قام زید کی طرح فارسی بھی ایستادہ زید کہے - تو یہ جملہ رکیک ہو جائے گا - اور از انجملہ یہ کہ
فارسی میں حال ماضی کی اگر حکایت کریں تو ماضی میں "می" داخل کرنے سے معنی متحقق ہو جاتے
ہیں اور یوں کہتے ہیں میکرد، میزد - مگر عربی زبان میں جب تک لفظ کان کو اپنے اصل حقیقت سے
ہٹا کر مستعار نہ لیا جائے حکایت حال ماضی کے معنی درست نہیں ہو سکتے۔ مثلاً یوں کہیں گے
کان یفعل۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

راست نیاید کان یفعل واز ان جملہ آنست کہ فعل مضارع در عربی خبر می تواند واقع شدہ از جعل وکاد و مثال آں بخلاف زبان عجم و ہمچنیں در عربی جملہ خبر اسمی واقع شود۔ گویند زید قام ابوہ در فارسی بدون تکلف راست نیاید۔

اسی طرح یہ کہ عربی میں فعلِ مضارع جعلَ اور کادَ کی خبر واقع ہو سکتا ہے برخلاف فارسی کے کہ اس میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ ایسے ہی عربی میں جملہ اسم کی خبر واقع ہوتا ہے چنانچہ کہتے ہیں زید قام ابوہ اور یہ صورت، فارسی میں تکلف کے بغیر درست نہیں ہوتی۔

(باقی آئندہ)

قرآن اور تصوف

۱۹۵۸ء کی بلند پایہ علمی اور تحقیقی کتاب

تالیف جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ ڈی بیرسٹرایٹ لا صدر شعبۂ فلسفہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن۔ رفیقِ اعزازی ندوۃ المصنفین دہلی

ڈاکٹر صاحب نے اس گراں مایہ تالیف میں حقیقی اسلامی تصوف کو منطقی ترتیب و وضاحت کے ساتھ ایک خاص اسلوب میں پیش کیا ہے۔ کتاب و سنت کے منشار و ماخذ کی روشنی کتاب کی جان ہے۔ قابل مطالعہ کتاب ہے۔ بڑے بڑے عنوانات ملاحظہ ہوں۔

عبادت و استعانت، قرب و معیت، تنزلاتِ ستہ، خیر و شر، جبر و قدر، یافت و شہود

قیمت دو روپے۔ مجلد تین روپئے۔

منیجر ندوۃ المصنفین دہلی قرول باغ

© rasailojaraid.com